

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## اشارات

گزشتہ ماہ جنوری میں پاکستان کے ۳۳ سربراہانِ اوردہ علماء نے تازہ دستوری سفارشات پر غور و خوض کر کے جو اصلاحات اور جوابی تجاویز مرتب کی ہیں ان میں سے ایک اہم تجویز یہ بھی ہے کہ ان تمام لوگوں کو جو مرزا غلام احمد صاحبِ قادیانی کو اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہیں، ایک جداگانہ اقلیت قرار دیا جائے اور ان کے لیے پنجاب اسمبلی میں ایک نشست مخصوص کر دی جائے۔ جہاں تک علماء کی دوسری تجاویز کا تعلق ہے، ان کی معقولیت اتنی واضح ہے کہ علماء کے مخالفین کو بھی ان پر کچھ کہنے کی ہمت نہ ہو سکی اور اگر انہوں نے کچھ کہا بھی تو تو وہ جگر سوختہ کے دھوئیں سے زیادہ نہ تھا جس کا ملک کے پڑھے لکھے اور ذی فہم لوگوں کی نگاہ میں کوئی وزن نہیں ہو سکتا لیکن اس خاص تجویز کے بارے میں ہم محسوس کرتے ہیں کہ قادیانی مسئلے کا بہترین حل ہونے کے باوجود تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد ابھی تک اس کی صحت و معقولیت کی قائل نہیں ہو سکی ہے، اور پنجاب و بہاولپور کے ماسوا دوسرے علاقوں میں، خصوصاً بنگال میں، ابھی عوام الناس بھی پوری طرح اس کا ذہن محسوس نہیں کر رہے ہیں۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ان صفحات میں پوری وضاحت کے ساتھ وہ دلائل بیان کر دیں جن کی بنا پر علماء نے بالاتفاق یہ تجویز پیش کی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ قادیانیوں کا مسلمانوں سے الگ ایک امت ہونا اس پوزیشن کا ایک لازمی منطقی نتیجہ ہے جو انہوں نے خود اختیار کی ہے۔ وہ اسباب ان کے اپنے ہی پیدا کردہ ہیں جو انہیں مسلمانوں سے کاٹ کر ایک جداگانہ ملت بنا دیتے ہیں۔

پہلی چیز جو انہیں مسلمانوں سے جدا کرتی ہے وہ ختم نبوت کی نئی تفسیر ہے جو انہوں نے مسلمانوں کی متفق علیہ تفسیر سے ہٹ کر اختیار کی۔ سارے تیرہ سو سال سے تمام مسلمان بالاتفاق یہ مانتے رہے ہیں اور آج بھی

یہی مانتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد اب کوئی نبی مبعوث ہونے والا نہیں ہے۔ ختم نبوت کے متعلق قرآن مجید کی تصریح کا یہی مطلب صحابہ کرام نے سمجھا تھا۔ اور اسی لیے انہوں نے ہر اس شخص کے خلاف جنگ کی جس نے حضور کے بعد دعوائے نبوت کیا۔ پھر یہی مطلب بعد کے فہرہ میں تمام مسلمان سمجھتے رہے جس کی بنا پر مسلمانوں نے اپنے درمیان کبھی کسی ایسے شخص کو برداشت نہیں کیا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہو۔ لیکن قادیانی حضرات نے تاریخ میں پہلی مرتبہ خاتم النبیین کی یہ نرالی تفسیر کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم "نبیوں کی فہرہ" ہیں اور اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ حضور کے بعد اب جو بھی نبی آئے گا اس کی نبوت آپ کی مہر تصدیق ملے گی کہ مستند ہوگی۔

اس کے ثبوت میں قادیانی لٹریچر کی بکثرت عبارتوں کا حوالہ دیا جاسکتا ہے، مگر ہم صرف تین حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں:-

خاتم النبیین کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی فہرہ کے بغیر کسی کی نبوت تصدیق نہیں ہو سکتی۔ جب فہرہ لگ جاتی ہے تو وہ کاغذ سد ہو جاتا ہے اور صدقہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت کی فہرہ اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے: (ملفوظات اصدیہ مرتبہ محمد منظور الہی صاحب قادیانی، حصہ پنجم ص ۲۹۰)

"ہیں اس سے انکار نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں مگر ختم کے معنی وہ نہیں جو احسان کا سوا و اعظم سمجھا ہے اور جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اعلیٰ و ارفع کے سراسر خلاف ہے کہ آپ نے نبوت کی نعمت عظمیٰ سے اپنی امت کو محروم کر دیا۔ بلکہ یہ ہیں کہ آپ نبیوں کی فہرہ میں باب و بی نبی ہو گا جس کی آپ تصدیق کریں گے۔۔۔۔۔ انہی معنوں میں ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین سمجھتے ہیں: (رافضی، قادیان، مودعہ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۹ء)

"خاتم فہرہ کو کہتے ہیں۔ جب نبی کریم فہرہ ہوئے، اگر ان کی امت میں کسی قسم کا نبی نہیں ہو گا تو وہ فہرہ کس طرح ہوئے یا فہرہ کس پر لگے گی؟ (رافضی، قادیان، مودعہ ۲۲ مئی ۱۹۲۲ء)

تفسیر کا یہ اختلاف صرف ایک نکتہ کی تاویل و تفسیر تک ہی محدود نہ رہا بلکہ قادیانیوں نے اگے بڑھ کر صاف صاف اعلان کر دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نہیں، ہزاروں نبی آسکتے ہیں۔ یہ بات بھی ان کے اپنے بیانات سے ثابت ہے جن میں سے صرف چند کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں:-

”یہ بات بالکل روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دوازدہ کھلا

ہے“ (حقیقۃ النبوت مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان، ص ۲۲۸)

”وہ انہوں نے (یعنی مسلمانوں نے) یہ سمجھ لیا ہے کہ خدا کے خزانے ختم ہو گئے۔۔۔۔۔ ان کا

یہ سمجھنا خدا تعالیٰ کی قدر کو ہی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے، ورنہ ایک نبی کیا میں تو کہتا ہوں ہزاروں نبی

ہونگے“ (انوار خلافت، مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، ص ۶۲)

”اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار بھی رکھ دی جائے اور مجھے کہا جائے کہ تم یہ کہو کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میں اسے ضرور کہوں گا کہ تو جھوٹا ہے،

کذاب ہے، آپ کے بعد نبی آسکتے ہیں اور ضرور آسکتے ہیں“ (انوار خلافت ص ۶۵)

اس طرح نبوت کا دوازدہ کھول کہ مرزا غلام احمد صاحب نے خود اپنی نبوت کا دعویٰ کیا اور قادیانی کرۃ نے اُن کو حقیقی معنوں میں نبی تسلیم کیا۔ اس کے ثبوت میں قادیانی حضرات کی بے شمار مستند غریبیت میں سے چند یہ ہیں:-

”اور مسیح موعود (یعنی مرزا غلام احمد صاحب) نے بھی اپنی کتابوں میں اپنے دعویٰ رسالت

و نبوت کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں کہ ”ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم

رسولِ ادنیٰ ہیں“ (دیکھو بدر، ۵، راسخ ۹۰۸) یا جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ ”میں خدا کے حکم کے

موافق نبی ہوں۔ اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا۔ اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی

رکھتا ہے تو میں کیونکر اس سے انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت جو اس دنیا

سے گزر جاؤں“ (دیکھو خط حضرت مسیح موعود بہ طرف ایڈیٹر اخبار عام لاہور) یہ خط حضرت مسیح موعود

نے اپنی وفات سے صرف تین دن پہلے یعنی ۲۲ مئی ۱۹۰۸ء کو لکھا اور آپ کے یرم وصال ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو اخبار عام میں شائع ہوا: (کلمۃ الفضل مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی، مندرجہ ریویو آف ریلیجینز نمبر ۳، جلد ۱۴، ص ۱۱۰)

”پس شریعت اسلامی نبی کے جو معنی کرتی ہے اس کے معنی سے حضرت صاحب دینی مرزا غلام احمد صاحب، ہرگز مجازی نبی نہیں ہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں۔ (حقیقۃ النبوت، مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان ص ۱۴۲)

نبوت کے دعوے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص بھی اس نبوت پر ایمان نہ لائے وہ کافر قرار دیا جائے چنانچہ قادیانیوں نے یہی کیا۔ وہ ان تمام مسلمانوں کو اپنی تحریر و تقریر میں علانیہ کافر قرار دیتے ہیں جو مرزا غلام احمد صاحب کو نبی نہیں مانتے۔ اس کے ثبوت میں ان کی چند صریح عبارتیں یہ ہیں:-

”کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔“ (آئینہ صداقت مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان ص ۳۵)

”برایک ایسا شخص جو موسیٰ کو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا، یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا، یا محمد کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔“ (کلمۃ الفضل، مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی، مندرجہ ریویو آف ریلیجینز نمبر ۳، جلد ۱۴، ص ۱۱۰)

”ہم چونکہ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں اور غیر احمدی آپ کو نبی نہیں مانتے اس لیے قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق کہ کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے غیر احمدی کافر ہیں۔“ (بیان مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب باجلاس، سب بیچ عدالت گورداسپور، مندرجہ اخبار الفضل مورخہ ۲۶ جون ۱۹۲۲ء)

وہ صرف یہی نہیں کہتے کہ مسلمانوں سے ان کا اختلاف محض مرزا صاحب کی نبوت کے معاملے میں ہے، بلکہ وہ

کہتے ہیں کہ ہمارا خدا، ہمارا اسلام، ہمارا قرآن، ہماری نماز، ہمارا روزہ، غرض ہماری ہر چیز مسلمانوں سے الگ ہے۔ ۲۱ اگست ۱۹۱۷ء کے الفضل میں خلیفہ صاحب کی ایک تقریر طلباء کو نصائح کے عنوان سے شائع ہوئی تھی جس میں انہوں نے اپنی جماعت کے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے یہ بتایا تھا کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان کیا اختلاف ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں:-

”وہ حضرت مسیح موعودؑ نے تو فرمایا ہے کہ ان کا (یعنی مسلمانوں کا) اسلام اور ہے اور ہمارا اور، ان کا خدا اور ہے اور ہمارا اور، ہمارا حج اور ہے ان کا حج اور، اسی طرح ان سے ہر بات میں اختلاف ہے“

۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء کے الفضل میں خلیفہ صاحب کی ایک اور تقریر شائع ہوئی ہے جس میں وہ اس بحث کا ذکر کرتے ہیں جو مرزا غلام احمد صاحب کی زندگی میں اس مسئلے پر چھڑ گئی تھی کہ احمدیوں کو اپنا ایک مستقل مدرسہ و کتابیات قائم کرنا چاہیے یا نہیں۔ اس وقت ایک گروہ کی رائے یہ تھی کہ نہیں کرنا چاہیے، اور ان کی دلیل یہ تھی کہ ہم میں اور دوسرے مسلمانوں میں چند مسائل کا اختلاف ہے، ان مسائل کو حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام نے حل کر دیا ہے اور ان کے دلائل تباہیہ ہیں، باقی باتیں دوسرے مدرسوں سے سیکھی جاسکتی ہیں۔ دوسرا گروہ اس کے برعکس رائے رکھتا تھا۔ اس دوران میں مرزا غلام احمد صاحب آگئے اور انہوں نے یہ ماجرا سن کر اپنا فیصلہ دیا۔ اس فیصلے کو خلیفہ صاحب ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:-

”یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وقایع مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ان سے یہیں اختلاف ہے۔“

اس ہمہ گیر اختلاف کو اس کے آخری منطقی نتائج تک بھی قادیانیوں نے خود ہی پہنچا دیا اور مسلمانوں سے تمام تعلقات منقطع کر کے ایک الگ امت کی حیثیت سے اپنی اجتماعی تنظیم کر لی۔ اس کی شہادت قادیانیوں کی اپنی تحریرات سے بھی یہ ملتی ہے:-

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سختی سے تاکید فرمائی ہے کہ کسی احمدی کو غیر احمدی کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ باہر سے لوگ اس کے متعلق بار بار پوچھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں تم جتنی دفعہ بھی پوچھو گے اتنی دفعہ ہی میں یہی جواب دوں گا کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں جائز نہیں، جائز نہیں۔ (انوار خلافت، مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ تادیان) ۸۹

ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔ (انوار خلافت ص ۹۰)

وہ اگر کسی غیر احمدی کا چھوٹا بچہ مر جائے تو اس کا جنازہ کیوں نہ پڑھا جائے، وہ تو مسیح موعود کا منکر نہیں؟ میں یہ سوال کرنے والے سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہندوؤں اور عیسائیوں کے بچوں کا جنازہ کیوں نہیں پڑھا جاتا؟ ... غیر احمدی کا بچہ بھی غیر احمدی ہی ہوا، اس لیے اس کا جنازہ بھی نہیں پڑھنا چاہیے۔ (انوار خلافت ص ۹۱)

حضرت مسیح موعود نے اس احمدی پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے جو اپنی لڑکی غیر احمدی کو دے۔ آپ سے ایک شخص نے بار بار پوچھا اوس کی قسم کی مجبوریوں کو پیش کیا لیکن آپ نے اس کو یہی فرمایا کہ لڑکی کو بٹھائے رکھو لیکن غیر احمدیوں میں نہ دو۔ آپ کی وفات کے بعد اس نے غیر احمدیوں کو لڑکی دے دی تو حضرت خلیفۃ اول نے اس کو احمدیوں کی امامت سے ہٹا دیا اور جماعت سے خارج کر دیا اور اپنی خلافت کے چھ سالوں میں اس کی توبہ قبول نہ کی باوجودیکہ وہ بار بار توبہ کرتا رہا۔ (انوار خلافت، ص ۹۳-۹۴)

حضرت مسیح موعود نے غیر احمدیوں کے ساتھ صرف وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریم نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں، ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا، ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں؟ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک دینی، دوسرے دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے۔ اور دنیوی تعلق کا بھاری ذریعہ رشتہ و ناظمہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لیے حرام قرار

دیے گئے۔ اگر کہو کہ ہم کو ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے، تو یہیں کہتا ہوں نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ غیر احمدیوں کو سلام کیوں کہا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات نبی کریمؐ تے یہود تک کو سلام کا جواب دیا ہے۔  
 (کلمۃ الفضل - مندرجہ دیولو آف - یلینیر مس ۱۶۹)

یہ قطع تعلق صرف تحریر و تقریر ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ پاکستان کے لاکھوں آدمی اس بات کے شہید ہیں کہ قادیانی عملداری مسلمانوں سے کٹ کر ایک الگ امت بن چکے ہیں۔ نہ وہ ان کے ساتھ نماز کے شریک، نہ جنازہ کے، نہ شادی بیاہ کے۔ اب اس کے بعد آخر کونسی مغدول وجہ رہ جاتی ہے کہ ان کو اور مسلمانوں کو زبردستی ایک امت میں باندھ رکھا جائے؟ جو علحدگی نظریہ اور عمل میں فی الواقع رونما ہو چکی ہے اور پچاس برس سے قائم ہے، آخراً اب اسے آئینی طور پر کیوں تسلیم کر لیا جائے؟

حقیقت یہ ہے کہ قادیانی تحریک نے ختم نبوت کی ان حکمتوں اور مصلحتوں کو اب تجربے سے ثابت کر دیا ہے جنہیں پہلے محض نظری حیثیت سے سمجھنا لوگوں کے لیے مشکل تھا۔ پہلے ایک شخص یہ سوال کر سکتا تھا کہ آخر کیوں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد دنیا سے ہمیشہ کے لیے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا لیکن اب اس قادیانی تجربے نے عملیہ ثابت کر دیا کہ امت مسلمہ کی وحدت اور استحکام کے لیے ایک نبی کی متابعت پر تمام کلمہ گویان توحید کو مجتمع کر دینا اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے اور نئی نبوتوں کے دعوے کس طرح ایک امت کو چھوڑ کر اس کے اندر فریڈامتیں بنانے اور اس کے اجزاء کو پارہ پارہ کر دینے کے موجب ہوتے ہیں۔ اب اگر یہ تجربہ ہماری آنکھیں کھول دے اور ہم اس نئی امت کو مسلمانوں سے کاٹ کر الگ کر دیں تو پھر کسی کو نبوت کا دعویٰ سے کراٹھنے اور امت مسلمہ کے اندر پھر سے قطع و برید کا سلسلہ شروع کرنے کی تمہت نہ ہوگی۔ ورنہ ہمارے اس ایک قطع و برید کو برداشت کر لینے کے معنی یہ ہونگے کہ ہم ایسے ہی دوسرے بہت سے حوصلہ مندوں کی تمہت افزائی کر رہے ہیں۔ ہمارا آج کا تحمل کل دوسروں کے لیے نظیر بن جائے گا اور معاملہ ایک قطع و برید پر ختم نہ ہوگا بلکہ آٹھ دن ہمارے معاشرے کو نئی نئی

پراگندگیوں کے خطرے سے دوچار ہونا پڑے گا۔

یہ ہے وہ اصل دلیل جس کی بنا پر ہم قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس دلیل کا کوئی معقول جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔ مگر سامنے سے اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے چند دوسرے سوالات پھیلے جاتے ہیں جو براہ راست نفسِ معاملہ سے متعلق نہیں ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ

مسلمانوں میں اس سے پہلے بھی مختلف گروہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے رہے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں، اگر اسی طرح ایک ایک کی تکفیر پر دوسرے کو امت سے کاٹ دینے کا سلسلہ شروع کر دیا جائے تو دوسرے سے کوئی امتِ مسلمہ باقی ہی نہ رہے گی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں قادیانیوں کے علاوہ چند اور گروہ بھی ایسے موجود ہیں جو نہ صرف بنیادی عقائد میں سوادِ اعظم سے گہرا اختلاف رکھتے ہیں بلکہ عملاً انہوں نے اپنی اجتماعی شیرازہ بندی بھی مسلمانوں سے الگ کر رکھی ہے اور قادیانیوں کی طرح وہ بھی سائے مذہبی و معاشرتی تعلقات مسلمانوں سے منقطع کیے ہوئے ہیں۔ پھر کیا ان سب کو بھی امت سے کاٹ پھینکا جائے گا؟ یا یہ معاملہ کسی خاص ضد کی وجہ سے صرف قادیانیوں ہی کے ساتھ کیا جا رہا ہے؟ آخر قادیانیوں کا وہ خاص تصور کیا ہے جس کی بنا پر اس طرح کے دوسرے گروہوں کو چھوڑ کر خصوصیت کے ساتھ انہی کو الگ کرنے کے لیے اتنا اصرار کیا جاتا ہے؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علحدگی کا مطالبہ تو اقلیت کیا کرتی ہے، مگر یہ عجیب ماجرا ہے کہ آج اکثریت کی طرف سے اقلیت کو الگ کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے حالانکہ اقلیت اس کے ساتھ پہنے پر مٹھ رہی ہے۔ بعض لوگوں کے ذہن پر یہ خیال بھی مسلط ہے کہ قادیانی حضرات ابتدا سے عیسائیوں، آریہ سماجیوں اور دوسرے حملہ آوروں کے مقابلے میں اسلام کی مدافعت کرتے رہے ہیں اور دنیا بھر میں وہ اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ یہ سلوک زیادہ نہیں ہے۔

اور آخر میں اب یہ بات بھی بڑے معتبر ذرائع سے سننے میں آئی ہے کہ قادیانیوں کے خلاف یہ قدم اٹھانا ہمارے  
ذمہ داران حکومت کے نزدیک پاکستان کے لیے سیاسی حیثیت سے بہت نقصان دہ ہے، کیونکہ ان کی رائے  
میں قادیانی وزیر خارجہ کا ذاتی اثر انگلستان اور امریکہ میں بہت زیادہ ہے اور ہم کو ان ملکوں سے جو کچھ بھی مل  
سکتا ہے انہی کے ترستے سے مل سکتا ہے۔

آخری بات چونکہ ذرا مختصر ہے اس لیے پہلے ہم اسی کا جواب دیں گے، پھر دوسرے سوالات پر بحث کریں گے  
اگر یہ واقعہ ہے کہ ہمارے ذمہ داران حکومت یہی خیال رکھتے ہیں تو ہمارے نزدیک ایسے کوڑے منفر اور کُند ذہن  
لوگوں کی قیادت سے یہ ملک جتنی جلدی نجات پا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ جو لوگ ایک ملک کی قسمت کو کسی  
ایک شخص یا چند اشخاص پر منحصر سمجھتے ہیں وہ ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ ایک لمحہ کے لیے بھی پاکستان کی ذمہ داری  
ان کے ہاتھ میں رہنے دی جائے۔ انگلستان اور امریکہ میں کوئی سیاسی مدیر اتنا احمق نہیں ہو سکتا کہ وہ آٹھ کروڑ کی آبادی  
دیکھنے والے ایک عظیم الشان ملک اور اس کے ذرائع و وسائل اور اس کے جغرافیائی محل وقوع کا وزن محسوس کرنے  
کے بجائے صرف ایک شخص کا وزن محسوس کرے، اور اس ملک کے ساتھ جو کچھ بھی معاملہ کرے اس شخص کی خاطر کئے  
اور اس شخص کے ہتھے ہی پورے ملک سے اس لیے روٹھ جائے کہ تم نے اسی ایک آدمی کو ہٹا دیا جس کے  
پاس خاطر سے ہم تمہیں روٹی کپڑا دے رہے تھے! یہ اعتقاد بات اگر انگلستان اور امریکہ کے لوگ سن پائیں تو وہ  
ہمارے ”مدبرین عظام“ کی عقل و خرد پر بے اختیار ہنس پڑیں گے اور انہیں سخت حیرت ہوگی کہ ایسے ایسے طفل  
مکتب اس ملک کے سربراہ کا بنے ہوئے ہیں جنہیں اتنی موٹی سی بات بھی معلوم نہیں ہے کہ باہر کی دنیا میں قادیانی  
وزیر خارجہ کو جو کچھ بھی اہمیت حاصل ہے پاکستان کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ پاکستان کی اہمیت  
اس خاص وزیر خارجہ کے طفیل۔

اب ہم اوپر کے سوالات میں سے ایک ایک کو لے کر سلسلہ داران کا جواب دیتے ہیں۔  
بلاشبہ مسلمانوں میں یہ ایک بیماری پائی جاتی ہے کہ ان کے مختلف گروہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے

رہے ہیں اور اب بھی بعض گروہوں کا یہ تشغل نامبارک جاری ہے لیکن اس کو محبت بنا کر قادیانی گروہ کو امت مسلمہ میں شامل رکھنا کئی وجوہ سے غلط ہے۔

تو لا، اس تشغل تکفیر کی بعض غلط اور بری مثالوں کو پیش کر کے یہ کئی حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ تکفیر ہمیشہ غلط ہی ہوتی ہے اور دوسرے سے کسی بات پر کسی کی تکفیر ہونی ہی نہ چاہیے۔ فروعیات کے در اندر اسے اختلافات پر تکفیر کر دینا اگر ایک غلط حرکت ہے تو اسی طرح دین کی بنیادی حقیقتوں سے کھلے کھلے انحراف پر تکفیر نہ کرنا بھی سخت غلط ہے۔ جو لوگ بعض علماء کی بے جا تکفیر بازی سے یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ ہر قسم کی تکفیر دوسرے سے ہی بے جا ہے۔ اُن سے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ہر شخص ہر حال میں مسلمان ہی رہتا ہے خواہ وہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھے یا نبوت کا مدعی ہو یا اسلام کے بنیادی عقائد سے صریحاً منحرف ہو جائے؟

ثانیاً، مسلمانوں کے جن گروہوں کی باہمی تکفیر بازی کو آج محبت بنایا جا رہا ہے ان کے سربراہ اور وہ علماء ابھی بھی کراچی میں سبکے سامنے جمع ہوئے تھے اور انہوں نے بالاتفاق اسلامی حکومت کے اصول مرتبہ کیے تھے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہوئے ہی یہ کام کیا۔ اس سے بڑھ کر اس بات کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک دوسرے کے بعض عقائد کو کافرانہ عقائد کہتے اور سمجھنے کے باوجود وہ ایک دوسرے کو خارج از دائرہ اسلام نہ کہتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں؛ لہذا یہ اندیشہ بالکل فرضی ہے کہ قادیانیوں کو الگ کرنے کے بعد مختلف گروہوں کو امت سے کاٹ پھینکنے کا ایک سلسلہ چل پڑے گا۔

ثالثاً، قادیانیوں کی تکفیر کا معاملہ دوسرے گروہوں کی باہمی تکفیر بازی سے بالکل مختلف نوعیت رکھتا ہے۔ قادیانی ایک نئی نبوت ہے کہ لٹھے ہیں جو لازماً اُن تمام لوگوں کو ایک امت بناتی ہے جو اس نبوت پر ایمان لے آئیں اور اُن تمام لوگوں کو کافر بنا دیتی ہے جو اس پر ایمان نہ لائیں۔ اسی بنا پر قادیانی تمام مسلمانوں کی تکفیر پر متفق ہیں اور تمام مسلمان ان کی تکفیر پر متفق۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت بڑا بنیادی اختلاف ہے جس کو مسلمانوں کے باہمی فروعی اختلافات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

بلاشبہ مسلمانوں میں قادیانیوں کے علاوہ بعض اور گروہ بھی ایسے موجود ہیں جو اسلام کی بنیادی حقیقتوں

میں مسلمانوں سے اختلاف رکھتے ہیں اور مذہبی و معاشرتی تعلقات منقطع کر کے اپنی جداگانہ تنظیم کر چکے ہیں۔ لیکن چند وجوہ ایسے ہیں جن کی بنا پر ان کا معاملہ قادیانیوں سے بالکل مختلف ہے۔

وہ مسلمانوں سے کٹ کر بس الگ تھلگ ہو بیٹھے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے چند چھوٹی چھوٹی چٹانیں ہوں جو سرحد پر پڑی ہوئی ہوں۔ اس لیے اُن کے وجود پر صبر کیا جاسکتا ہے لیکن قادیانی مسلمانوں کے اندر مسلمان بن کر گھستتے ہیں، اسلام کے نام سے اپنے مسلک کی اشاعت کرتے ہیں، مناظرہ بازی اور جارحانہ تبلیغ کرتے پھرتے ہیں اور مسلم معاشرے کے اجزاء کو توڑ توڑ کر اپنے جداگانہ معاشرے میں شامل کرتے جا رہے ہیں۔ اُن کی ان کوششوں سے مسلم معاشرے میں اختلاف و انتشار کا ایک مستقل فتنہ برپا ہے جس کی وجہ سے ان کے معاملے میں ہمارے لیے وہ صبر ممکن نہیں ہے جو دوسرے گروہوں کے معاملے میں کیا جاسکتا ہے۔

اُن گروہوں کا مسئلہ ہمارے لیے صرف ایک دنیائی مسئلہ ہے کہ آیا اپنے مخصوص عقائد کی بنا پر وہ اسلام کے پیرو سمجھے جاسکتے ہیں یا نہیں۔ اگر بالفرض وہ اسلام کے پیرو نہ بھی مانے جائیں تو جس عہد و کی حالت میں وہ ہیں اُس کی وجہ سے اُن کا مسلمانوں میں شامل رہنا ہمارے لیے نہ خطرہ ایمان ہے اور نہ کوئی معاشرتی ہمتی یا سیاسی مسئلہ ہی پیدا کرتا ہے۔ لیکن مسلمانوں میں قادیانی مسلک کی مسلسل تبلیغ ایک طرف لاکھوں تاواغیب دین مسلمانوں کے لیے ایمان کا خطرہ بنی ہوئی ہے۔ اور دوسری طرف جس خاندان میں بھی ان کی یہ تبلیغ کا رگہ ہو جاتی ہے وہاں فوراً ایک معاشرتی مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کہیں شوہر اور بیوی میں جدائی پڑ رہی ہے، کہیں باپ اور بیٹے ایک دوسرے سے کٹ رہے ہیں، اور کہیں بھائی اور بھائی کے درمیان شادی و خیم کی شرکت تک کے تعلقات منقطع ہو رہے ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ قادیانیوں کی حجتہ بندی سرکاری دفتروں میں، تجارت میں، صنعت میں، زراعت میں، غرض زندگی کے ہر میدان میں مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہے جس سے معاشرتی مسئلے کے علاوہ اور دوسرے مسائل بھی پیدا ہو رہے ہیں۔

پھر دوسرے گروہوں کے کوئی ایسے سیاسی رجحانات نہیں ہیں جو ہمارے لیے کسی حیثیت سے خطرناک ہوں اور ہمیں مجبور کرتے ہوں کہ ہم فوراً ان کے مسئلے کو حل کرنے کی فکر کریں لیکن قادیانیوں کے اندر

بعض ایسے خطرناک سیاسی رجحانات پائے جلتے ہیں جن سے کسی طرح آنکھیں بند نہیں کی جاسکتیں۔ ان کو تبدیل سے یہ احساس رہا ہے کہ ایک نئی نبوت کا دعویٰ کر جو شخص یا گروہ اٹھے اس کا کسی آزاد و با اختیار مسلم سوسائٹی کے اندر پناہ مشکل ہے۔ وہ مسلم قوم کے فرائض سے واقف ہیں کہ وہ طبعاً ایسے دعووں سے متنفر ہے جو ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان کفر و اسلام کی تفریق کر کے نظام دین کو اور اسلامی معاشرے کے نظام کو دہم برہم کرتے ہوں۔ وہ مسلمانوں کی تاریخ سے واقف ہیں کہ صحابہ کرام کے دور سے لے کر آج تک اس طرح کے مدعیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا رہا ہے۔ انہیں خوب معلوم ہے کہ جہاں حکومت مسلمانوں کے اپنے ہاتھ میں ہو وہاں نئی نبوتوں کے چرائے نہ کبھی چلنے دیے گئے ہیں اور نہ آئندہ کبھی امید کی جاسکتی ہے کہ چلنے دیے جائیں گے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ صرف ایک غیر مسلم حکومت ہی میں آدمی کو یہ آزادی مل سکتی ہے کہ حکومت کو اپنی وفاداری و خدمت گزاری کا پورا اطمینان دلانے کے بعد مذہب کے دائرے میں جو دعویٰ چاہے کرے اور مسلمانوں کے دین، ایمان اور معاشرے میں جیسے نقص چاہے اٹھا تا رہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اسلام کی حکومت پر کفر کی حکومت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ ان کی شکار گاہ مسلمان قوم ہی ہے، کیونکہ وہ اسلام کے نام پر اپیل کرتے ہیں اور قرآن و حدیث کے اسلحہ سے کام لیتے ہیں۔ لیکن ان کا مفاد یہ مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمان قوم ایک کافر اقتدار کے پنجے میں بے بس ہو کر ان کی شکار گاہ بنی رہے اور یہ اس کافر اقتدار کے پکتے وفادار بن کر اس کا شکار کرتے رہیں۔ ایک آزاد و خود مختار مسلمان قوم ان کے بے بڑی سنگلاخ زمین سے جسے وہ دل سے پسند نہیں کرتے اور نہیں کر سکتے۔

اس کے ثبوت میں مرزا غلام احمد صاحب اودان کی جماعت کے بکثرت بیانات میں سے صرف چند کا نقل کر دینا کافی ہے :-

”بلکہ اس گورنمنٹ کے ہم پر اس قدر احسان ہیں کہ اگر ہم یہاں سے نکل جائیں تو نہ ہمارا ملک میں گزارا ہو سکتا ہے اور نہ قسطنطنیہ میں۔ تو پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اس کے برخلاف کوئی خیال اپنے دل میں رکھیں؟“ (ملفوظات احمدیہ - جلد اول - ص ۱۵۶)

”میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں نہ مدینہ میں نہ روم میں نہ شام میں نہ ایران میں نہ کابل میں مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لیے دعا کرتا ہوں“

تبلیغ رسالت، مرزا غلام احمد ص ۶۹ جلد ششم

”یہ تو سوچو کہ اگر تم اس گورنمنٹ کے سائے سے باہر نکل جاؤ تو پھر تمہارا ٹھکانا کہاں ہے۔ ایسی سلطنت کا بھلا نام تو لو جو تمہیں اپنی پناہ میں لے لے گی۔ ہر ایک اسلامی سلطنت تمہارے قتل کرنے کے لیے دانت پیس رہی ہے کیونکہ ان کی نگاہ میں تم کافر اور مرتد ٹھہر چکے ہو۔ سو تم اس خداوند نعمت کی قدر کرو اور تم یقیناً سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے سلطنت انگریزی تمہاری بھلائی کے لیے ہی اس ملک میں قائم کی ہے اور اگر اس سلطنت پر کوئی آفت آئے تو وہ آفت تمہیں عجا نابلو کر دے گی۔ . . . . ذرا کسی اور سلطنت کے زیر سایہ رہ کر دیکھ لو کہ تم سے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ سنو، انگریزی سلطنت تمہارے لیے ایک رحمت ہے، تمہارے لیے ایک برکت ہے، اور خدا کی طرف سے تمہاری وہ سپر ہے۔ پس تم دل و جان سے اس سپر کی قدر کرو۔ اور سچائے مخالف جو مسلمان ہیں ہزار ہا درجہ ان سے انگریز بہتر ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیں وحی الہی نہیں سمجھتے۔ وہ تمہیں بے عزت نہیں کرنا چاہتے“ (اپنی جماعت کے لیے ضروری نصیحت از مرزا غلام احمد صاحب، مندرجہ تبلیغ رسالت۔ جلد دہم۔ ص ۱۲۱)

”ایہدائی گورنمنٹ نے جو سلوک مرزا علی محمد باب بانی فرقہ بابیہ اور اس کے بیس مریدوں کے ساتھ محض مذہبی اختلاف کی وجہ سے کیا اور جو تم اس فرقے پر توڑے گئے وہ ان دشمن لوگوں پر غفی نہیں ہیں جو قوموں کی تاریخ پڑھنے کے عادی ہیں۔ اور پھر سلطنت ترکی نے جو ایک یورپ کی سلطنت کہلاتی ہے جو بڑا دہاد اللہ بانی فرقہ بابیہ بہائیہ اور اس کے جلاوطن شدہ پیروں سے ۱۸۶۳ء سے لے کر ۱۸۹۲ء تک پہنچے قسطنطنیہ پیراڈریا فوئل اور بعد ازاں عک کے جیل خانے میں کیا وہ بھی دنیا کے اہم واقعات پر اطلاع رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے۔ دنیا میں تین ہی بڑی سلطنتیں کہلاتی ہیں اور لہ غالباً مسلمانوں کی تین بڑی سلطنتیں مراد ہیں، یعنی ترکی، ایران اور افغانستان۔



تو اس کی آبادی ۱۱ لاکھ ہے۔ لیکن چونکہ یہ ایک یونٹ ہے اس لیے اسے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ زیادہ آبادی کو تو احمدی بنانا مشکل ہے لیکن تھوڑے آدمیوں کو احمدی بنانا کوئی مشکل نہیں۔ پس جماعت اس طرف اگر پوری توجہ دے تو اس صوبے کو بہت جلدی احمدی بنایا جاسکتا ہے۔ . . . . یاد رکھو تبلیغ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک ہماری (Base) مضبوط نہ ہو۔ پہلے بیس مضبوط ہو تو پھر تبلیغ پھیلتی ہے۔ پس پہلے اپنی (Base) مضبوط کرلو۔ کسی نہ کسی جگہ اپنی (Base) بنالو۔ کسی ملک میں ہی بنالو۔ . . . . اگر ہم سارے صوبے کو احمدی بنالیں تو کم از کم ایک صوبہ تو ایسا ہو جائے گا جس کو ہم اپنا صوبہ کہہ سکیں گے اور یہ بڑی آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔“

یہ تقریر کسی تشریح کی محتاج نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ دوسرے گروہ جن کی موجودگی کا حوالہ دے کر قادیانیوں کو برداشت کرنے کا ہمیں مشورہ دیا جاتا ہے، کیا ان میں سے بھی کسی کے ایسے منصوبے ہیں؟ کیا ان میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو اپنے مذہب کے لیے غیر مسلم اقتدار کو مفید اور مسلم اقتدار کو غیر مفید سمجھتا ہو، اور مسلم اقتدار قائم ہوتے ہی ریاست کے اندر اپنی ایک ریاست بنانے کی فکر میں لگ گیا ہو؟ اگر نہیں ہے تو پھر ان کی مثال قادیانیوں پر کیوں چسپاں کی جاتی ہے؟

اب تیسرے سوال کو لیجیے، یعنی یہ کہ علحدگی کا مطالبہ تو اقلیتیں کیا کرتی ہیں، یہاں یہ کیسی الٹی بات ہو رہی ہے کہ اکثریت اس کا مطالبہ لے کر اٹھی ہے۔

یہ سوال جو لوگ چھڑتے ہیں، کیا براہ کرم ان میں سے کوئی صاحب کسی سیاسی انجیل کی ایسی کوئی آیت پیش کر سکتے ہیں جس میں یہ قانون کُل بیان کیا گیا ہو کہ علحدگی کا مطالبہ کرنا صرف اقلیت ہی کے لیے جائز ہے؟ اکثریت ایسے کسی مطالبے کو پیش کرنے کی حق دار نہیں ہے؟ ہمیں بنایا جائے کہ یہ اصول کہاں لکھا ہے اور کس نے اسے مقرر کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ مطالبات ہمیشہ ضرورت کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں اور وہی ان کو پیش کرتا ہے جسے ان کی

ضرورت ہوتی ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ ایک مطالبہ جس ضرورت کی بنا پر پیش کیا جا رہا ہے وہ بجائے خود معقول ہے یا نہیں۔ یہاں اختلاف کا نقصان اکثریت کو پہنچ رہا ہے نہ کہ اقلیت کو۔ اس لیے اکثریت یہ مطالبہ کرنے پر مجبور ہوئی ہے کہ اس اقلیت کو آئینی طور پر الگ کر دیا جائے جو ایک طرف عملاً الگ ہو کر علیحدگی کا پورا فائدہ اٹھا رہی ہے اور دوسری طرف اکثریت کا جزء بن کر اختلاف کے فوائد بھی سمیٹتی چلی جاتی ہے۔ ایک طرف وہ مسلمانوں سے مذہبی معاشرتی تعلقات منقطع کر کے اپنی الگ جتھ بندی کرتی ہے اور منظم طریقے سے ان کے خلاف ہر میدان میں کشمکش کرتی ہے، دوسری طرف مسلمانوں میں مسلمان بن کر گھسٹی ہے، اپنی تبلیغ سے اپنی تعداد بڑھاتی ہے، مسلم معاشرے میں تفریق کا فتنہ برپا کرتی ہے، اور سرکاری ملازمتوں میں مسلمان ہونے کی حیثیت اپنے مناسب حصے کی بنسبت بد جہا زیادہ حصہ حاصل کر لیتی ہے۔ اس صورت حال کا سراسر نقصان اکثریت کو پہنچ رہا ہے اور بالکل ناجائز فائدہ اقلیت حاصل کر رہی ہے۔ پھر آخر کو کسی معقول وجہ سے کہ ایسے حالات میں اگر اقلیت علیحدگی کا مطالبہ نہیں کرتی تو اسے زبردستی اکثریت کے سینے پر مزگ دلنے کے لیے بٹھائے رکھا جائے اور اکثریت کے مطالبہ علیحدگی کو روک دیا جائے؟

علحدگی کے اسباب اکثریت نے نہیں بلکہ خود اقلیت نے پیدا کیے۔ عملاً اپنا الگ معاشرہ اس نے خود بنایا۔ اکثریت سے مذہبی و معاشرتی روابط اس نے خود توڑے۔ اس روش کا فطری تقاضا یہ تھا کہ وہ خود اس علیحدگی کو تسلیم کر لیتی جو اس نے فی الواقع اختیار کی ہے۔ اسے اگر تسلیم کرنے سے وہ گریز کرتی ہے تو یہ اس سے بڑھ کر کیوں گریز کرتی ہے۔ اور خدا نے آپ کو دیکھنے والی آنکھیں دی ہیں تو خود دیکھیے کہ آخر اپنے ہی عمل کے لازمی نتائج قبول کرنے سے اسے کیوں گریز ہے۔ اس کی نیت اگر دغا اور فریب سے کام چلانے کی ہے تو آپ کی عقل کہاں چلی گئی ہے کہ آپ خود اپنی قوم کو اس دغا بازی کا نشانہ بنانے پر تے ہوئے ہیں؟

آخری جواب طلب بات یہ رہ جاتی ہے کہ نادانی حضرات اسلام کی مدافعت اور تبلیغ کرتے رہے ہیں اس لیے ان سے ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔

یہ درحقیقت ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے جس میں بالعموم ہمارے نئے تعلیم یافتہ لوگ بری طرح

بتلا ہیں۔ اس لیے ہم ان سے گزارش کرتے ہیں کہ ذرا آنکھیں کھول کر مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی حسب ذیل عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیں۔ یہ عبارتیں اس مذہب کے بانی کی نیت اور مقاصد کو خود ہی بڑی خوبی کے ساتھ بیان کر رہی ہیں۔

”تزیان القلوب“ مطبوعہ مطبع ضیاء الاسلام قادیان (۲۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء) ضمیمہ نمبر ۳ بعنوان مسعود گورنمنٹ عالیہ میں ایک عاجزانہ درخواست ”میں مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں:-

”بیس برس کی مدت سے میں اپنے دلی جوش سے ایسی کتابیں زبان فارسی اور عربی اور اردو اور انگریزی میں شائع کر رہا ہوں جن میں بار بار یہ لکھا گیا ہے کہ مسلمانوں کا فرض ہے جس کے ترک سے وہ خدا تعالیٰ کے گنہگار ہونگے کہ اس گورنمنٹ کے سچے خیر خواہ اور دلی جاں نثار ہو جائیں اور جہاد اور خوفی مہدی کے انتظار وغیرہ بیہودہ خیالات سے جو قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتے دست بردار ہو جائیں اور اگر وہ اس غلطی کو چھوڑنا نہیں چاہتے تو کم سے کم یہ ان کا فرض ہے کہ اس گورنمنٹ محسنہ کے ناشکر گزار نہ بنیں اور ملک حرامی سے خدا کے گنہگار نہ ٹھہریں“ (صفحہ ۳)

آگے چل کر پھر اسی عاجزانہ درخواست میں لکھتے ہیں:-

”اب میں اپنی گورنمنٹ محسنہ کی خدمت میں جو بات سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ وہ سب سے سادہ میری خدمت ہے جس کی نظیر برٹش انڈیا میں ایک بھی اسلامی خاندان پیش نہیں کر سکتا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قدر لمبے زمانہ تک جو بیس برس کا زمانہ ہے ایک مسلسل طور پر تعلیم مذکورہ بالا پر زور دیتے جانا کسی متناقض اور خود غرض کا کام نہیں ہے بلکہ ایسے شخص کا کام ہے جس کے دل میں اس گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی ہے۔ ہاں میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں نیک نیتی سے دوسرے مذاہب کے لوگوں سے مباحثات بھی کیا کرتا ہوں اور ایسا ہی پادریوں کے مقابل پر بھی مباحثات کی کتابیں شائع کرتا رہا ہوں اور میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ جبکہ بعض پادریوں اور عیسائی مشنریوں کی تحریر نہایت سخت ہو گئی اور جدا اعتدال سے بڑھ گئی اور بالخصوص پرچہ نور افشاں میں جو ایک عیسائی اخبار لدھیانہ سے نکلتا ہے نہایت گندی تحریریں شائع ہوئیں اور ان مؤلفین نے جلتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لعن و لعن

ایسے الفاظ استعمال کیے کہ یہ شخص ڈاکو تھا، چور تھا، زنا کار تھا، اور صدمہ پرچوں میں یہ شائع کیا کہ یہ شخص اپنی لڑکی بدمستی سے عاشق تھا اور بایں ہمہ مجھوٹا تھا اور لوٹ مار اور خون کرنا اس کا کام تھا تو مجھے ایسی کتابوں اور اخباروں کے پڑھنے سے یہ اندیشہ دل میں پیدا ہوا کہ مبادا مسلمانوں کے دلوں پر جو ایک جوش رکھنے والی قوم ہے ان کلمات کا کوئی سخت استعمال دینے والا اثر پیدا ہو تب میں نے ان جوشوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنی صبح اور پاک نیت سبھی مناسب سمجھا کہ اس عام جوش کو دبلنے کے لیے حکمت عملی یہی ہے کہ ان تحریرات کا کسی قدر سختی سے جواب دیا جائے تا سریر الغضب انسانوں کے جوش فرو ہو جائیں اور ملک میں کوئی بد امنی پیدا نہ ہو تب میں نے بمقابل ایسی کتابوں کے جن میں کمال سختی سے بدزبانی کی گئی تھی چند ایسی کتابیں لکھیں جن میں کسی قدر بالمقابل سختی تھی کیونکہ میرے کائناتس نے قطعی طور پر مجھے فتویٰ دیا کہ اسلام میں جو بہت سے وحشیانہ جوش رکھنے والے آدمی موجود ہیں ان کے غیظ و غضب کی آگ بجھانے کے لیے یہ طریق کافی ہو گا (صفحہ ۳۰۸-۳۰۹)

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:-

”سو مجھ سے پادریوں کے مقابل پر جو کچھ وقوع میں آیا یہی ہے کہ حکمت عملی سے بعض وحشی مسلمانوں کو خوش کیا گیا اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میں تمام مسلمانوں میں سے اول درجے کا خیر خواہ گورنمنٹ انگریزی کا ہوں کیونکہ مجھے تین باتوں نے خیر خواہی میں اول درجے پر بنا دیا ہے (۱) اول والد مرحوم کے اثر نے (۲) دوم اس گورنمنٹ عالیہ کے احسانوں نے (۳) تیسرے خدا تعالیٰ کے الہام نے“ (صفحہ ۳۱۰-۳۰۹)

”شہادۃ القرآن“ مطبعہ پنجاب پریس سیالکوٹ طبع ششم کے ساتھ ایک غمیمہ ہے جس کا عنوان ہے ”گورنمنٹ کی توجہ کے لائق“ اس میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:-

”سو میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں۔ دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو، جس نے ظالموں کے

ہاتھ سے اپنے سائے میں ہیں پناہ دی ہو۔ سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے؟ (ص ۳۷)

”تبلیغ رسالت“ جلد ہفتم مطبوعہ فاروق پریس قادیان راکست سٹلم، میں مرزا صاحب کی ایک درجہستہ  
بعض وزراء بلفٹنٹ گورنر بہادر دام اقبالہ ”دیج ہے جس میں وہ پہلے اپنے خاندان کی وفاداریوں کا ذکر کرتے  
ہوئے وہ چھپان نقل کرتے ہیں جو ان کے والد مرزا غلام مصطفیٰ خاں کو کشن لہور، فینا نشل کشن پنجاب اور  
انگریز افسروں نے ان کی وفادارانہ خدمات کے اعتراف میں عطا کی تھیں۔ نیز ان خدمات کو گنایا ہے جو ان کے  
خاندان کے دوسرے بزرگوں نے انجام دیں۔ پھر لکھتے ہیں:-

”میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو قریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں اپنی زبان اور  
قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں کہ تمام مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور  
خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان کے بعض کم نہیوں کے دلوں سے غلط خیال جہاد  
وغیرہ کے دھوکوں جو ان کو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں“ (ص ۳۸)

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”اور میں نے نہ صرف اسی قدر کام کیا کہ برٹش انڈیا کے مسلمانوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی  
اطاعت کی طرف جھکایا بلکہ بہت سی کتابیں عربی اور فارسی اور اردو میں تالیف کر کے ممالک اسلامیہ  
کے لوگوں کو بھی مطلع کیا کہ ہم لوگ کیونکر امن اور آرام اور آزادی سے گورنمنٹ انگلشیہ کے سایہ  
عاطفت میں زندگی بسر کر رہے ہیں“ (ص ۳۹)

پھر وہ اپنی ان کتابوں کی ایک لمبی نہرست دیتے ہیں جن سے ان کی وفادارانہ خدمات کا ثبوت  
ملتا ہے۔ پھر لکھتے ہیں:-

”گورنمنٹ تحقیق کرے کہ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہزاروں مسلمانوں نے جو مجھے کافر قرار دیا اور  
مجھے اور میری جماعت کو جو ایک گروہ کشن پنجاب اور ہندوستان میں موجود ہے ہر ایک ملک کی بدگوئی  
اور بداندیشی سے ایذا دینا اپنا فرض سمجھا اس تکفیر اور ایذا کا ایک مخفی سبب یہ ہے کہ ان نادان  
مسلمانوں کے پرشیدہ خیالات کے برخلاف دل و جان سے گورنمنٹ انگلشیہ کی شکر گزاری کے لیے

ہزار ہا اشتہارات شائع کیے گئے اور ایسی کتابیں بلاد عرب و شام وغیرہ تک پہنچائی گئیں؛ یہ باتیں بے ثبوت نہیں۔ اگر گورنمنٹ توجہ فرمائے تو نہایت بدیہی ثبوت میرے پاس ہیں۔ میں زور سے کہتا ہوں اور میں دعویٰ سے گورنمنٹ کی خدمت میں اعلان دیتا ہوں کہ باعتبار مذہبی اصول کے مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سے گورنمنٹ کا اول درجے کا وفادار اور جاں نثار یہی نیا فرقہ ہے جس کے اصولوں میں سے کوئی اصول گورنمنٹ کے لیے خطرناک نہیں (مسئلہ) آگے چل کر پھر لکھتے ہیں:-

”اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید پڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور ہندی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے (مسئلہ)

تھوڑی دیر کے لیے اس سوال کو نظر انداز کر دیجیے کہ یہ زبان اور یہ تحریر کسی نبی کی ہو بھی سکتی ہے یا نہیں ہم یہاں جس پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ اس مذہب کی تبلیغ و تلقین اور مدافعت اسلام کے وہ مقاصد اور محرکات ہیں جو بانی مذہب نے خود بیان کیے ہیں کیا اس کے بعد بھی یہ نام نہاد خدمت دین کسی قدر کی مستحق رہ جاتی ہے؟ اس پر بھی اگر کوئی شخص اس خدمت دین کی حقیقت نہ سمجھ سکے تو ہم اسے گزارش کریں گے کہ ذرا قادیانیموں کے اپنے ان اعتراضات کو آنکھیں کھول کر پڑھیں:-

”عرصہ دراز کے بعد اتفاقاً ایک لائبریری میں ایک کتاب ملی جو چھپ کر نایاب بھی ہو گئی تھی اس کتاب کا مصنف ہے ایک اطالوی انجینئر جو افغانستان میں ایک ذمہ دار عہدہ پر فائز تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب زادیانی، کو اس لیے شہید کیا گیا کہ وہ جہاد کے خلاف تعلیم دیتے تھے اور حکومت افغانستان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اس سے افغانوں کا جذبہ حریت کمزور ہو جائے گا اور ان پر انگریزوں کا اقتدار چھا جائے گا۔۔۔۔۔ ایسے معتبر راوی کی روایت سے یہ امر پائیدہ ثبوت تک پہنچ جاتا ہے کہ اگر صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید خاموشی سے بیٹھے ہوتے اور جہاد کے خلاف کوئی نغز بھی نہ کہتے تو حکومت افغانستان کو انہیں شہید کرنے کی ضرورت محسوس

”بھوتی“ ر مرزا بشیر الدین محمود و احمد صاحب کا خطبہ جمعہ مندرجہ الفضل مورخہ ۶ اگست ۱۹۳۵ء)۔  
 ”افغان گورنمنٹ کے وزیر داخلہ نے مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا ہے: کابل کے دو  
 اشخاص ملا عبد الحلیم چہارا سیانی و ملا نور علی دکاندار قادیانی عقائد کے گرویدہ ہو چکے تھے اور لوگوں  
 کو اس عقیدہ کی تلقین کر کے انہیں اصلاح کی راہ سے ہٹا کر رہے تھے۔۔۔۔۔ ان کے خلاف  
 مدت سے ایک اور دعویٰ دائر ہو چکا تھا اور مملکت افغانستان کے مصالح کے خلاف غیر ملکی  
 لوگوں کے سازشی خطوط ان کے قبضے سے پائے گئے جن سے پایا جاتا ہے کہ وہ افغانستان کے  
 دشمنوں کے ہاتھ بک چکے تھے“ (اتبار الفضل بحوالہ امان افغان - مورخہ ۳ مارچ ۱۹۲۵ء)

”روسیہ یعنی روس، میں اگرچہ تبلیغ احمدیت کے لیے گیا تھا لیکن چونکہ سلسلہ احمدیہ اور  
 برٹش حکومت کے باہمی مفاد ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اس لیے جہاں میں اپنے سلسلے کی  
 تبلیغ کرتا تھا وہاں لازماً مجھے گورنمنٹ انگریزی کی خدمت گزاری بھی کرنی پڑتی تھی“ (بیان محمد امین  
 صاحب قادیانی مبلغ - مندرجہ اتبار الفضل مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۲۳ء)

”دنیا میں انگریزوں کا ایجنٹ سمجھتی ہے، چنانچہ جب جرمنی میں احمدیہ عمارت کے افتتاح  
 کی تقریب میں ایک جرمن وزیر نے شمولیت کی تو حکومت نے اس سے جواب طلب کیا کہ کیوں  
 تم ایسی جماعت کی کسی تقریب میں شامل ہوئے جو انگریزوں کی ایجنٹ ہے“ (خلیفہ قادیان کا  
 خطبہ جمعہ مندرجہ اخبار الفضل مورخہ یکم نومبر ۱۹۲۴ء)

”جہیں امید ہے کہ برٹش حکومت کی توسیع کے ساتھ ہمارے لیے اشاعت اسلام کا میدان  
 بھی وسیع ہو جائے گا اور غیر مسلم کو مسلم بنانے کے ساتھ ہم مسلمان کو پھر مسلمان کر دیں گے“ (ولڈ ہارڈنگ  
 کی سیاحت عراق پر اظہار خیال - مندرجہ الفضل الزمرہ ص ۱۹۱ء)

”نی الواقع گورنمنٹ برطانیہ ایک ڈھال ہے جس کے نیچے احمدی جماعت آگے ہی آگے  
 بڑھتی جاتی ہے۔ اس ڈھال کو ذرا ایک طرف کر دو اور دیکھو کہ زہریلے تیروں کی کیسی خطرناک بارش  
 تمہارے سروں پر ہوتی ہے۔ پس کیوں ہم اس گورنمنٹ کے شکر گزار نہ ہوں۔ ہمارے فوائد اس

گورنمنٹ سے متحد ہو گئے ہیں اور اس گورنمنٹ کی تباہی ہماری تباہی ہے اور اس گورنمنٹ کی ترقی ہماری ترقی۔ جہاں جہاں اس گورنمنٹ کی حکومت پھیلی جاتی ہے، ہمارے لیے تبلیغ کا ایک میدان نکلتا آتا ہے“ (الفصل ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۵ء)

”سلسلہ احمدیہ کا گورنمنٹ برطانیہ سے جو تعلق ہے وہ باقی تمام جماعتوں سے نرالا ہے۔ ہمارے حالات ہی اس قسم کے ہیں کہ گورنمنٹ اور ہمارے فوائد ایک ہو گئے ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ کی ترقی کے ساتھ ہمیں بھی آگے قدم بڑھانے کا موقع ملتا ہے اور اس کو خدا نخواستہ اگر کوئی نقصان پہنچے تو اس صدمے سے ہم بھی محفوظ نہیں رہ سکتے“ (خلیفہ قادیان کا اعلان مندرجہ اخبار الفضل، ۲۴ جولائی ۱۹۱۸ء)

اب قادیانی جماعت کی پوری تصویر آپ کے سامنے ہے۔ اس کے بنیادی خدوخال یہ ہیں :-  
 (۱) پچاس برس سے زیادہ مدت ہوئی، جب کہ انگریزی دور حکومت میں مسلمان غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے، پنجاب میں ایک شخص نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھا۔ جس قوم کو اللہ کی توحید اور رسالت محمدی کے اقرار نے ایک قوم، ایک ملت اور ایک معاشرہ بنایا تھا اس کے اندر اس شخص نے یہ اعلان کیا کہ مسلمان سمجھنے کے لیے توحید و رسالت محمدی پر ایمان لانا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ میری نبوت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے، اور جو اس پر ایمان نہ لائے وہ توحید و رسالت محمدی پر ایمان رکھنے کے باوجود کافر اور دائرہ اسلام خارج ہے۔  
 (۲) اس بنیاد پر اس نے مسلم معاشرے میں کفر و ایمان کی نئی تفریق پیدا کی اور جو لوگ اس پر ایمان لائے ان کو مسلمانوں کے الگ ایک امت اور ایک معاشرے کی شکل میں منظم کرنا شروع کر دیا۔ اس نئی امت اور مسلمانوں کے درمیان اعتقاد اور عملاً ویسی ہی جدائی پڑ گئی جیسی ہندوؤں اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان تھی۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ نہ عقیدے میں شریک رہی، نہ عبادت میں، نہ رشتے ملتے میں، اور نہ شادی و غم میں۔

(۳) بانی مذہب کو اول روز سے یہ احساس تھا کہ مسلم معاشرہ اپنی اس قطع و برید کو بخوشی برداشت نہیں

کر لیا اور نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس نے اور اس کے جانشینوں نے نہ صرف ایک پالیسی کے طور پر انگریزی حکومت کی نچتہ وفاداری و خدمت گزاری کا رویہ اختیار کیا بلکہ عین اپنے موقف کے قطری تقاضے سے ہی انہوں نے یہ سمجھا کہ ان کا مفاد لازماً غلبہ کفر کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہندوستان ہی میں نہیں، تمام دنیا میں اس بات کے خواہشمند رہے اور عملاً اس کے لیے کوشاں رہے کہ آزاد مسلمان قومیں بھی انگریزوں کی غلام ہو جائیں تاکہ ان میں اس نئے مذہب کی اشاعت کے لیے راہ ہموار ہو سکے۔

(۴) اس طرح بیرونی اقتدار سے گٹھ جوڑ کر کے اس جماعت نے مسلمانوں کی ان تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا جو گذشتہ نصف صدی میں اُسے مسلمانوں سے خارج کرنے کے لیے کی گئیں اور انگریزی حکومت اس بات پر مبصر رہی کہ یہ گروہ مسلمانوں سے الگ، بلکہ ہر چیز میں ان کا مخالف ہونے کے باوجود انہی میں شامل ہو گیا۔ اس تدبیر سے مسلمانوں کو دہرائے نقصان اور قادیانی جماعت کو دہرا فائدہ پہنچا گیا:-

الف، عام مسلمانوں کو علامہ کی تمام کوششوں کے باوجود یہ باور کرایا جاتا رہا کہ قادیانیت اسلام ہی کا ایک فرقہ اور قادیانی گروہ مسلم معاشرے ہی کا ایک حصہ ہے۔ اس طرح قادیانیت کے لیے مسلمانوں میں پھیلنا زیادہ آسان ہو گیا کیونکہ اس صورت میں ایک مسلمان کو قادیانیت اختیار کرتے ہوئے یہ اندیشہ لاحق نہیں ہوتا کہ وہ اسلام سے نکل کر کسی دوسرے معاشرے میں جا رہا ہے۔ قادیانیوں کو اس سے یہ فائدہ پہنچا کہ وہ مسلمانوں میں سے برابر آدمی توڑ توڑ کر اپنی تعداد بڑھاتے رہے۔ اور مسلمانوں کو یہ نقصان پہنچا کہ ان کے معاشرے میں ایک بالکل الگ اور مخالف معاشرہ سرطان کی طرح اپنی جڑیں پھیلاتا رہا جس کی بدولت ہزار ہا خاندانوں میں تفرقے برپا ہو گئے۔ خصوصیت کے ساتھ پنجاب اس کا سب سے زیادہ نشانہ ہوا کیونکہ یہ بلا اسی صوبے سے اٹھی تھی، اسی ہی وجہ سے کہ آج پنجاب ہی کے مسلمان اس کے خلاف سب سے بڑھ کر مشتعل ہیں۔

ب، انگریزی حکومت کی منظور نظر بن کر قادیانی جماعت انگریزی حکومت کی فوج، پولیس، عدالت اور دوسری سرکاری ملازمتوں میں اپنے آدمی دھڑا دھڑ بھرتی کرتی چلی گئی۔ اور یہ سب کچھ اس نے مسلمان بن کر ملازمتوں کے اُس کوٹے سے حاصل کیا جو مسلمانوں کے لیے مخصوص تھا۔ مسلمانوں کو اطمینان دلایا جاتا رہا کہ یہ ملازمتیں کم کو مل رہی ہیں، حالانکہ وہ بڑی کثیر تعداد میں ان قادیانیوں کو دی جا رہی تھیں جو مسلمانوں